مرثیہ درحال حضرت عباس علیہ السلام (بند ۲۰۱)

سنہ تصنیف: ۲۹؍رجب المرجب ۱۳۴۴ھ

دعبلِ ہند نواب مولانا سید فرزند حسین ذاخر اجتہادی

(۱)

وصل کا نام زمانے میں برا ہوتا ہے
عشق کامل کوئی کرلے تو فنا ہوتا ہے
وعدہ سنتے ہیں دمِ مرگ وفا ہوتا ہے
ہائے بیدرد سمجھتے نہیں کیا ہوتا ہے
آہ کا بار ضعیفوں سے کہاں اُٹھتا ہے
شمع کی طرح کلیجے سے دھواں اٹھتا ہے

(۲)

جلوۂ طور چھپا رات کو دکھلا کے کوئی
مدتوں قلبِ حزیں میں نہ رہا آ کے کوئی
سہل کر جاتا شبِ ہجر کو سمجھا کے کوئی
نہ گیا فرش پہ کروٹ کو بدلوا کے کوئی
جو سنی تھی وہ دمِ نزع صدا ڈھونڈھتے ہیں
مرنے والے نظرِ اہلِ وفا ڈھونڈھتے ہیں

(۳)

نالے کہتے ہیں کرو شکوۂ ظلم و بیداد
صبر کہتا ہے یوں ہی پڑتی ہے اکثر اُفتاد
آنکھ کہتی ہے نہ گر روؤ تو کیسی فریاد
درد کہتا ہے جو بھولے اُسے کیوں کرتے ہو یاد
اضطرابِ جگر و قلب کو سکھلا دیں گے
کروٹیں ہم تمہیں اُٹھ اُٹھ کے بدلوا دیں گے

(۴)

اس کا کیا کہنا زمانے میں جو ناکام نہیں
عشق والوں کو یہ راحت سحر و شام نہیں
ابتدا موت نہ جس کی ہو وہ انجام نہیں
مرنے والوں کو کسی طرح سے آرام نہیں
شمع جب طرزِ بکا آ کے بتا جاتی ہے
رو کے مرتے ہیں تو زخموں کو ہنسی آتی ہے

(۵)

دردِ دل کے کہاں ممکن ہیں زمانہ میں طبیب
نا امیدی سے رہا کرتی ہے امید قریب
اُن سے پوچھو جنہیں وصلت کی کوئی شب ہو نصیب
دل سی شئے رشک سے ہوجاتی ہے آخر کو رقیب
نزع میں ہو کے جدا لب کے قریں چلتی ہے
دل کہیں رہتا ہے اور سانس کہیں چلتی ہے

(۶)

طرزِ نالہ کبھی بھاتا ہے کبھی طرزِ فغاں
سانس اُکھڑتی ہے تو بر آتے ہیں دل کے ارماں
رہا کرتی تھی حبابوں کی طرح جسم میں جاں
مذہبِ عشق میں ہے زندگی و موت اک ساں
واپس آ جاتے ہیں پھر دہر کے جانے والے
زندہ کر لیتے ہیں ٹھوکر کے لگانے والے

(۷)

یہ وہی موت ہے جس میں کہ نہیں دخلِ قیاس
حال بیماروں کا پہچانتے ہیں درد شناس
مر کے بھی رہتی ہے عشاق کو یوں وصل کی آس
شمعِ تربت نظر آتی ہے جو پروانوں کے پاس
عشق بھولے نہ جفا چرخ کی سہنے والے
زندگی مانگتے ہیں قبر کے رہنے والے

(۸)

جانِ محبوب جو ہنگامِ جفا لیتے ہیں
کیا بتائیں کہ یہ کیا دیتے ہیں، کیا لیتے ہیں
دلِ عاشق اثرِ لطفِ وفا لیتے ہیں
دم نکلتا ہے تو قدر اپنی بڑھا لیتے ہیں
سر، قبر آتے ہیں ہر رات کو آنے والے
شمعیں چھپ چھپ کے جلاتے ہیں جلانے والے

(۹)

یاد عشاق یہ نزدیک سفر چھوڑ گئے
شمع روتی ہوئی ہنگامِ سحر چھوڑ گئے
رات کو جس میں تڑپتے تھے وہ گھر چھوڑ گئے
نہ رہے خود مگر الفت کا اثر چھوڑ گئے
شعلے اُٹھتے ہیں چراغِ یدِ بیضا کے لئے
بجلیاں کوندتی ہیں حضرتِ موسیٰؑ کے لئے

(۱۰)

کیفیت کیا تھی جو عالم میں جواں تھے یوسفؑ
جلوہ افروزِ رخِ ماہوشاں تھے یوسفؑ
یوسفستاں تھا وہ بازار جہاں تھے یوسفؑ
اب بتاتی ہے یہ عبرت کہ کہاں تھے یوسفؑ
چھپ گئے زیرِ زمیں عشق کے آزاروں سے
پوچھ لو مصر کی بیٹھی ہوئی دیواروں سے

(۱۱)

اب نہ ہے عشق نہ عاشق نہ تاسف باقی
چپ زبانیں بھی ہوئیں یوں کہ نہیں اُف باقی
گو جہاں میں ہیں نہ ایوبؑ نہ یوسفؑ باقی
جامۂ زیست میں اتنا ہے تکلف باقی
شہرت اب تک ہے بکائے غمِ یعقوبؑ کی
بتّیاں جلتی ہیں زخمِ دلِ ایوبؑ کی

(۱۲)

نفس اُکھڑے ہوئے پیغامِ قضا دیتے ہیں
رخ تری سمت امیدوں کا پھرا دیتے ہیں
کچھ نہ کچھ جب جگر و قلب پتا دیتے ہیں
پہلوؤں میں تجھے گھبرا کے صدا دیتے ہیں
ڈھونڈھتے رہتے ہیں زانو کو ترے سر اُن کے
اب ملے یا نہ ملے تو، یہ مقدر ان کے

(۱۳)

جھیلتا ہے اُسے انساں جو دکھائے قسمت
دل کو کھو بیٹھے کہ لے دل پہ ملالِ فرقت
اُس کے ہر ذکر کو ہے یوں تو جہاں میں رفعت
دلِ عشاق سمجھتے ہیں پہ قدرِ وصلت
جی کے مر جاتے ہیں اور مر کے حیات آتی ہے
انقلاب آتا ہے وعدے کی جو رات آتی ہے

(۱۴)

نا امیدی کی خلش قلب کے ناسور سے ہے
موت نزدیک کچھ ایسی دلِ رنجور سے ہے
جیسے امید ضرر زخم کے انگور سے ہے
کتنی یہ رات مشابہ شبِ عاشور سے ہے
مر کے جو عشق سے پا جائیں وہ حال اچھا ہے
روحیں کہتی ہیں کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

(۱۵)

جس کو دیکھو وہ مئے عشق و محبت سے ہے چور
پرتوِ حسن سے کاشانۂ دل ہیں معمور
وہ نظر آتی ہیں راہیں جو تصور سے ہیں دور
منتظر آنکھ ہے روشن کنِ شمعِ سرِ طور
ہیں عیاں قلب کے چھالے یدِ بیضا کی طرح
اَرِنی کہہ رہے ہیں حضرت موسیٰؑ کی طرح

(۱۶)

یہ جو سمجھیں ہیں نہیں کوئی تجلّی سے ضرر
حسن کو کھینچ کے لے آیا ہے سینے میں جگر
دل تک آکر یہ ہوا طور کی بجلی کا اثر
جلوۂ نور نظر آتا ہے اندر باہر
قلب کا راز کھلا ہجر کے بیماروں پر
دھوپ پھیلی ہوئی ہے کعبہ کی دیواروں پر

(۱۷)

محوِ حیرت کئے ہے خشک زبانوں کا بیاں
ہے تری یاد سے آباد ہر اک اس کا مکاں
جو تو کہتا ہے ادا کرتی ہے وہ سن کے زباں
اللہ اللہ یہ ترفع، یہ ترے ذکر کی شاں
بڑھ گئے جادۂ تسلیم کے بڑھنے والے
عرش تک پہنچے ہیں قرآن کے پڑھنے والے

(۱۸)

جگر و دل کے کئے جوشِ محبت نے یہ حال
مرنے والوں کو نہیں جان کے جانے کا ملال
جانمازوں پہ بٹھائے ہوئے ہے استقلال
جتنا پہچان چکے ہیں تجھے اُتنے ہیں خیال
ہیں زبانوں پہ ترے ذکر فسانوں کی طرح
گھٹتے بڑھتے نہیں تسبیح کے دانوں کی طرح

(۱۹)

بدگمانی کا برا ہو کہ ہمیشہ ہیں حزیں
دل کی بیتابیوں سے کیا رہے اک جا پہ مکیں
اپنے خود سائے پہ ہوتا ہے رقابت کا یقیں
اک سے گو ایک جدا ہے مگر آرام نہیں
قلب بتلاتا ہے امید کی راہیں شب کو
تخلیہ ڈھونڈھتی پھرتی ہیں نگاہیں شب کو

(۲۰)

دل بخوبی ہے جو حالِ شبِ غم سے آگاہ
اک نہ اک وصل کی تجویز کیا کرتا ہے راہ
چاہتا ہے کہ ملے دامنِ الفت میں پناہ
غیر ہو جاتے ہیں احباب بھی اللہ اللہ
رشک کی تیغ کلیجے پہ بری چلتی ہے
آئے بے اذن ہوا بھی تو چھری چلتی ہے

(۲۱)

موت سے ڈرتے نہیں عشق کے کرنے والے
خون کر دیتے ہیں دل آہ کے بھرنے والے
ہیں عجب رنگ میں دنیا سے گزرنے والے
کتنا بے چین ہیں تنہائی کے مرنے والے
ہے مرض پر نہ توجہ، نہ مسیحا کی طرف
دل اندھیرے میں لئے جاتا ہے صحرا کی طرف

(۲۲)

ہے اُسی شب بن نافعؒ کا یہ پر درد بیاں
چلا میداں کی طرف گھر سے نبیؐ کا دل و جاں
رُخ اُدھر کا تھا زمیں دشت کی بیہڑ تھی جہاں
مجھے فکر اس کی کہ تنہائی میں جاتے ہیں کہاں
کیا کروگے جو کہیں راہ میں ایذا پہنچے
سیکڑوں ظلم کے بانی ہیں نہ صدمہ پہنچے

(۲۳)

فکر یہ میری مرے قلب و جگر مان گئے
جن سے امیدِ تحمل تھی وہ ارمان گئے
میں قریب آ جو گیا سرورؑ دیں جان گئے
دشت میں چاپ مرے پاؤں کی پہچان گئے
کہا یہ کون ہے با قلبِ حزیں ساتھ مرے
پیچھے پیچھے بنِ نافعؑ تو نہیں ساتھ مرے

(۲۴)

جوڑ کر دستِ ادب عرض یہ میں کرنے لگا
ساتھ بے شک ہے ہلالؑ اے شہؑ دین و دنیا
اور بڑھ آئے مرے پاس مری سن کے صدا
تھام کر ہاتھ مرا زیرِ بغل شہؑ نے رکھا
خوف طاری تھا تو تسکین دلی دے کے چلے
خسروِ کون و مکاں ساتھ مجھے لے کے چلے

(۲۵)

اوج و پستی یوں ہی طے کرتے ہوئے جاتے تھے شاہؑ
میں اُسی دشت میں تھا دل کی طرح سے ہمراہ
نہیں معلوم وہ کیا تھا کہ جو تھا پیشِ نگاہ
کہتے جاتے تھے یہی ہے وہ یہی ہے واللہ
ہم نہ سمجھے اُنہیں جو منہ سے نکالے جملے
ہائے لیکن تھے وہ دل توڑنے والے جملے

(۲۶)

درمیاں دو جبلوں کے مجھے لاکر یہ کہا
اے ہلالؑ! اس جگہ اب کوئی نہیں میرے سوا
تم سے جو کچھ میں کہوں مانوگے کہنا وہ مرا
میں نے کی عرض کہ خادم کو بھلا عذر ہے کیا
بولے شہؑ جس میں ضرر پاؤ وہ محبوب نہیں
میرے دشمن ہیں عدو، تم نہ مرو، خوب نہیں

(۲۷)

رہتی ہیں گردشیں انساں کے مقدر کے لئے
اپنا سر کاہے کو کٹواؤ مرے سر کے لئے
ہم کو یاں تھوڑی جگہ چاہئے بستر کے لئے
بنتِ احمدؐ نے ہمیں پالا ہے خنجر کے لئے
شمر کو رن میں دبا لینے دو سینہ میرا
ڈوب جانے دو لبِ نہر سفینہ میرا

(۲۸)

کیا کہوں سن کے ہوا یہ جو مرے دل پہ اثر
شہؑ کی تنہائی پہ بھر آئے مرے دیدۂ تر
عرض کی میں نے کہ اے مالک و مخدومِ بشر
کیا مری زیست ہے سلطانِؑ امم سے بہتر
جائیں گے یا نہیں دنیا سے گزرنے والے
جاں بچاتے ہیں تو بچ جاتے ہیں مرنے والے

(۲۹)

تھا نہ یہ، اور نہ ہے آپ کے خادم کا شعار
دامنِ سبط پیمبرؐ نہ چھٹے گا زنہار
کئے ہیں صرف ہزار اسپ میں میں نے دینار
اسی قیمت کی مرے ہاتھ میں ہے یہ تلوار
دل میں اُس وقت تک ارمان عدم باقی ہے
جب تلک تیغ میں کس، اسپ میں دم باقی ہے

(۳۰)

قلب کو قلتِ انصارؑ پہ صدمہ ہے کمال
جانتا ہوں کہ اکیلے ہیں شہِؑ نیک خصال
ہاں مگر اتنی تمنا ہے یہ ہنگامِ جدال
آپ کو چھوڑ کے دنیا میں تصدق ہو ہلال
عزم یہ پا کے مرا آپ دعا دے کے چلے
دشت سے پھر سوئے خیمہ شہِ دیںؑ لے کے چلے

(۳۱)

ڈیوڑھی تک ساتھ چلا آیا یوں ہی رن سے غلام
رونق افروز ہوئے خیمۂ خواہر میں امامؑ
تھا جہاں پہلے وہیں کر لیا پھر میں نے قیام
بھائی، میں اور بہن میں رہے تا دیر کلام
دوریِ شاہؑ سے غم طبعِ حزیں کھاتی رہی
جو نہ آتی تھی سمجھ میں وہ صدا آتی رہی

(۳۲)

بنتِ زہراؑ کا مگر جملۂ آخر یہ سنا
بھیڑ بے حد ہے اُدھر اے شہِؑ دین و دنیا
آزمائی بھی ہے بھائی نے رفیقوں کی وفا
مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں ہو نہ یہ ہنگام وغا
رن میں دہشت نہ دمِ جنگ وجدل کھائیں کہیں
آپ کو چھوڑ کے تنہا نہ چلے جائیں کہیں

(۳۳)

بولا سردار دو عالمؑ، یہ نہیں ہے، یہ نہیں
ہے مجھے اچھی طرح سب کی وفاؤں کا یقیں
سن لئے میں نے بھی جملے جو یہ با قلبِ حزیں
آیا روتا ہوا میں ابنِ مظاہرؑ کے قریں
وقتِ شب تیغ کے گیسو کو سنورتے دیکھا
صیقل آئینۂ شمشیر پہ کرتے دیکھا

(۳۴)

مجھ کو روتا ہوا پایا تو پکارے یہ حبیبؑ
جو رلائے ہمیں وہ دن ہو جہاں میں نہ نصیب
میں نے گھبرا کے صدا دی یہ بہت آ کے قریب
کہنے آیا ہوں جو تم سے وہ فسانہ ہے عجیب
ایسی شب ہوگی زمانے میں بہت کم بھائی
بدگماں سب سے ہے شہزادی عالم بھائی

(۳۵)

تھا میں نزدیکِ درِ خیمۂ سلطانِ زمن
فکر اس کی تھی نہ بڑھ آئیں اِدھر کو دشمن
رات اندھیری تھی تو تھا قلب پہ اندوہ ومحن
ہائے باتیں ابھی بھائی سے یہ کرتی تھی بہن
حوصلہ کل نہ کہیں کم ہو مددگاروں کا
امتحاں لے لیا ہے شہؑ نے نمک خواروں کا

(۳۶)

اس سے بڑھ کر دلِ زینبؑ پہ خطر کیا ہوگا
دیکھئے حالِ شہؑ جن و بشر کیا ہوگا
فوج کی بھیڑ کا ہر دل پہ اثر کیا ہوگا
اس کی دہشت ہے کہ ہنگامِ سحر کیا ہوگا
توڑ دیں عہد نہ تلواروں کے کھانے والے
کہیں پھر جائیں نہ بھائی کے بچانے والے

(۳۷)

ناصروں نے جو سنا یہ بنِ نافعؒ کا بیاں
تہلکہ پڑ گیا اک حشر ہوا رن میں عیاں
جس طرح جو تھا وہ اُس طرح ہوا اُٹھ کے رواں
تیغیں ہاتھوں میں تھیں اور قلب تھے پہلو میں تپاں
یہ صدائیں تھیں، نہیں موت کا کچھ غم ہم کو
جان پیاری نہیں شہزادی عالمؑ ہم کو

(۳۸)

یہ صدا دیتے ہوئے تا بہ در آئے انصارؑ
ہم نہ توڑیں گے کبھی وہ جو کئے ہیں اقرار
کہیں چھٹ سکتی ہے نعلینِ شہِؑ نیک شعار
حلق پر اپنے جو کہیئے تو پھرا لیں تلوار
جانیں دے دیں گے شہِؑ دیں کی حفاظت کے لئے
سر ہتھیلی پہ لئے بیٹھے ہیں نصرت کے لئے

(۳۹)

گردنیں رکھ دیں جو تیغوں کی اُپی ہوں دھاریں
قتل ہو جائیں کہ بچ جائیں، نہ ہمت ہاریں
جب تلک ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں تلواریں
جس کو کہہ دیجئے بڑھ کر اُسے رن میں ماریں
کون ذبحِ شہ مظلومؑ کو آ سکتا ہے
زندہ ہم ہیں تو کوئی ہاتھ اُٹھا سکتا ہے

(۴۰)

اے رفیقان و محبّانِ شہؑ ہر دو سرا
جس نے جو منہ سے کہا آہ وہ تا مرگ کیا
اتنا ذاکرؔ سے بتا دیجئے از بہرِ خدا
آپ زندہ نہ رہے جب تو جہاں میں ہوا کیا
عصر کو حشر بپا ظلم کے جنگل میں ہوا
جس پہ دل تھے سپریں ذبح وہ مقتل میں ہوا

(۴۱)

ہائے جو دل تھا وہ اک حشر کنِ وادیِ جنگ
کہیں پیری تو کہیں جوشِ جوانی کی امنگ
ایک اک پر نہ اجل کرتی زمانہ کو جو تنگ
ہر جری اپنے ارادے پہ جما لایا تھا رنگ
فوج روکے رہے ہمت کے دکھانے والے
ظہر تک شہؑ کو بچا لائے بچانے والے

(۴۲)

اُن دلوں میں مجھے اک دل کا بیاں کرنا ہے حال
پہلوئے سرورِؑ دیں میں جو رہا تا بہ زوال
رن میں جس کو بڑی مشکل سے ملا اذنِ جدال
جس نے بکھرا دیئے سیدانیوں کے چہروں پہ بال
سبقت کر جو گئے دہر سے جانے والے
جیتے جی مر گئے میّت کے اُٹھانے والے

(۴۳)

صبحِ عاشورِ محرم جو ہوئی رن میں عیاں
ہوا صف بستہ اُدھر دشت میں انبوہِ گراں
ہوئے تیار اِدھر فوجِ حسینی کے جواں
نکلے وہ جنگ کو جو دے چکے تھے شب کو زباں
زندگی ختم ہوئی حالِ جگر غیر ہوا
ہو گئے شہؑ پہ فدا خاتمہ بالخیر ہوا

(۴۴)

نہ رہا ظہر تلک شاہؑ کا لشکر باقی
ساتھ روحوں کے تنوں پر نہ رہے سر باقی
اب نہ قاسمؑ ہیں نہ ہیں عونؑ نہ جعفرؑ باقی
رن میں عباسؑ ہیں یا ہیں علی اکبرؑ باقی
کر کے ضد شہؑ سے علمدار نے رخصت پائی
بھائی سے بھائی نے مشکل سے اجازت پائی

(۴۵)

کب سے آئے ہوئے ہیں خیمہ میں باقلبِ حزیں
دیر سے بیٹھے ہیں ہمشیرِ شہؑ دیں کے قریں
وہ یہ کہتی ہیں، بہن چھوٹ کے جینے کی نہیں
عرض یہ کرتے ہیں روکے تو کوئی لشکرِ کیں
وہ یہ کہتی ہیں نہ تم ہوگے تو آفت ہوگی
عرض یہ کرتے ہیں بابا سے خجالت ہوگی

(۴۶)

باپ کا نام جو عباسؑ سے زینبؑ نے سنا
دل پہ صدمہ ہوا یاد آگئے ضرغامِ خدا
دے کے بھائی کو رضا رن کی بہن نے یہ کہا
ہائے بابا نے جو ارشاد کیا تھا وہ ہوا
اپنی تقدیر پہ آوارہ وطن رونے لگی
چھوٹے بھائی سے یہ فرما کے بہن رونے لگی

(۴۷)

عرض کرنے لگے زینبؑ سے یہ عباسِؑ جواں
گر مناسب ہو تو ارشادِ پدر کیجئے بیاں
بولی دل تھام کے یہ خواہرِ سلطانِ زماں
کیفیت ہے وہ لڑکپن کی جو کرتی ہوں بیاں
زانوئے شہ پہ جگہ بخت سے پائی بھائی
میں جو نزدیک پدر کھیلتی آئی بھائی

(۴۸)

مجھ کو زانو پہ بٹھاکر یہ ہوا دل پہ اثر
فکر کچھ تھی تو بھرا آتا تھا ہر دیدۂ تر
چومتے جاتے تھے بازو کو شہؑ جن و بشر
میں نے کی عرض دل و جاں سے میں قربانِ پدر
آپ روتے ہیں تو تھمتے نہیں آنسو میرے
چومتے ہیں شہِؑ دیں کس لئے بازو میرے

(۴۹)

کیا ارشاد کہوں کیا سببِ رنج و محن
گھر سے شبیرؑ کو بلوائیں گے اک دن دشمن
بھائی سے چھوٹ کے رہ جائے گی تنہا جو بہن
باندھیں گے ظلم کے بانی اسی بازو میں رسن
دردِ دل بڑھ جو گیا جانِ حزیں کھونے لگے
کہہ کے یہ اور شہنشاہِؑ امم رونے لگے

(۵۰)

عرض پھر میں نے یہ کی تھی جو زیادہ دلگیر
جس کے اٹھارا ہوں بھائی وہ بہن ہوگی اسیر
آج عباسؑ وہ بگڑی ہوئی دیکھو تقدیر
ہائے اِس اُجڑے ہوئے بن میں ہوتم یا شبیرؑ
موت لے آئی ہے دنیا سے گزرنے کے لئے
دونوں آمادہ ہیں پردیس میں مرنے کے لئے

(۵۱)

وہی پیش آیا جو تھا قولِ جناب حیدرؑ
کیوں نہ برگشتگیٔ بخت سے دل ہو مضطر
پسِ شہؑ آئے گا غارت کے لئے لشکرِ شر
اب یقیں ہوگیا زینبؑ کو کہ کھل جائے گا سر
غمِ دوری پہ بصد رنج و محن رونے لگی
اپنی تنہائی پہ ناشاد بہن رونے لگی

(۵۲)

یہ صدا دی جو بڑھا جوشِ یمِ دیدۂ نم
ہائے تم کیا اسے سمجھو کہ جو ہے قلب پہ غم
اپنے جینے کا جہاں میں تھا سہارا یہی دم
پھر ملو یا نہ ملو دل سے لگا لیں تمہیں ہم
جس سے ہم قید نہ ہوں وہ نہیں چارا کوئی
نہ رہا وادیٔ غربت میں ہمارا کوئی

(۵۳)

جاں کوئی دشت میں دے داغ جگر لے کوئی
دل پہ کیوں میرے تڑپنے کا اثر لے کوئی
نہیں اتنا کہ جو آغوش میں سر لے کوئی
خیر بہتر ہے بہن کی نہ خبر لے کوئی
منہ سے وہ بھی نہ کہیں گے جو جفا ہے بھائی
ایسے جنگل میں ہمارا بھی خدا ہے بھائی

(۵۴)

دیدِ عباسؑ کو ہمشیر تمنا سمجھی
دہنی جانب انہیں بٹھلا کے کلیجا سمجھی
درد بڑھ جانے سے بھائی کو مسیحا سمجھی
اذن دے کر نہیں معلوم بہن کیا سمجھی
وہ کیا عزم کہ خود دل کی دعائیں لے لیں
چہرے کو چھوڑ کے بازو کی بلائیں لے لیں

(۵۵)

سب سے مل کر جو علمدار چلے جانبِ در
پیچھے پیچھے چلیں سیدانیاں کھولے ہوئے سر
نکل آیا جو جری خیمۂ شہؑ سے باہر
اپنا سر پیٹ کے چلائی یہ بنتِ حیدرؑ
داغ تم اپنی جوانی کا دیئے جاتے ہو
روئیں سیدانیوں کی ساتھ لئے جاتے ہو

(۵۶)

دفعتاً یہ نکل آئے جو مکاں کے باہر
آئینہ رخ کی تجلی سے جو تھا پردۂ در
جستجو کرتی رہی حضرتِ زینبؑ کی نظر
اب اُدھر عکس ہے چہرے کا جو پہلے تھا اِدھر
حال کھل جاتا ہے جس وقت نظر پڑتی ہے
کدھر آئینہ ہے اور چھوٹ کدھر پڑتی ہے

(۵۷)

آئے ہنستے ہوئے نزدیکِ شہؑ عرش وقار
بولے شہزادیوں سے مل گیا اذنِ پیکار
کہا بہتر ہے، سدھارو سوئے فوجِ کفار
بھائی سے مل کے ہوئے اسپِ صبا دم پہ سوار
پشتِ مرکب پہ بصد عزت و تمکیں آیا
نورِ عینِ اسد اللہ سرِ زیں آیا

(۵۸)

رخ جری نے جو کیا جانبِ افواجِ جفا
کھل گیا اسپِ سبک دم پہ ارادہ دل کا
رن میں مشہور تھی پہلے سے جو گھوڑے کی ادا
باگ لی آپ نے میداں ہمہ تن چشم بنا
بار صرصر سے نہ آزاد نفس کا اُٹھا
آنکھ ذرّوں کی کھلی، پاؤں فرس کا اُٹھا

(۵۹)

منکشف ہونے لگے تیز روی کے آثار
نعلیں ہر گام پہ ضو دیتی چلیں صاعقہ وار
منقلب کرنے لگی رن میں فرس کی رفتار
خاک پر تھے کبھی ذرّے کبھی ذرّوں پہ غبار
جو پڑا پاؤں دھمک تا سرِ ماہی آئی
لیجئے عنصرِ خاکی پہ تباہی آئی

(۶۰)

گرد وہ تا بہ فلک ہے جو اُٹھی تھی کم کم
تہہ و بالا ہیں ہوائیں تو جہاں ہے برہم
خاک اُڑاتا ہوا جاتا تھا جو پڑتا تھا قدم
بڑھتی ہی جاتی ہے تاریکیٔ میدانِ ستم
دن کو تارے نظر آنے لگے آفت کردی
چھوٹ کھائے ہوئے ذرّوں نے قیامت کردی

(۶۱)

کبھی گیتی پہ گراں دوش صبا پر کبھی بار
اک جگہ خاک کو لینے نہ دیا رن میں قرار
کھیلتا جاتا تھا میدانِ ستم میں رہوار
منتشر تھا یوں ہی عالم میں ہواؤں سے غبار
بیٹھ سکتے ہیں کہیں ٹھوکریں کھانے والے
آ گئے خاک میں خاک اور ملانے والے

(۶۲)

گرد نے اُڑ کے کئے ضو کے قبالے کالے
پردے گیتی نے در چرخ پہ ڈالے کالے
عکس سے ہوگئے لشکر کے رسالے کالے
خاک پر خاک ہے یا ابر ہیں کالے کالے
ساتھ گھوڑے کے ہوا بال کی باندھی آئی
غل ہے میداں میں بڑے زور سے آندھی آئی

(۶۳)

جزر و مد ہے یمِ سرعت سے عیاں ہیکل میں
ضوفگن جلد ہے یوں خاک سرِ مقتل میں
بجلیاں کوندتی ہیں اُڑتے ہوئے بادل میں
سم کو گردش ہے بگولے کی طرح جنگل میں
برہم آزادیوں سے طبع خردمند ہوئی
کیا تماشا ہے کہ کاوے میں ہوا بند ہوئی

(۶۴)

ہو ہوا دشت میں یا ہو فرسِ برق نظیر
اس میں کیا رشک ہے ہو جس سے موافق تقدیر
اپنا اپنا دمِ رفتار ہے حسنِ تدبیر
خود تو آزاد رہا کر دیا صرصر کو اسیر
رن میں ٹالے نہ ٹلی سر سے بلا آئی ہوئی
جو بگولا ہے وہ زنجیر ہے بل کھائی ہوئی

(۶۵)

بحر ہو، بر ہو، گلستاں ہو کہ ہو چرخِ بریں
نہ گیا ہو جہاں گھوڑا وہ جگہ کوئی نہیں
حلقۂ نعل سے آزادیاں ممکن ہی نہیں
جو زمانے کا تغیر ہے وہ ہے زیرِ نگیں
گردشوں کا کوئی ارمان نکلتا ہی نہیں
جب تلک یہ نہ چلے رنگ بدلتا ہی نہیں

(۶۶)

کس قدر تیز رواں ہے فرسِ برق شیم
جو تصور میں بھی زائد تھے وہ جادے ہوئے کم
چال میں ہیں دمِ رفتار یہ ضدین بہم
آگ دیتا ہے جو ٹھکراتا ہے پانی سے قدم
جادۂ موج پہ جاتا ہے شرارے کی طرح
سم سے دریا میں حباب اُڑتے ہیں پارے کی طرح

(۶۷)

جرم کرتا نہیں رہوار کسی کا بھی معاف
قید اسے کر دیا پایا جسے تیزی کے خلاف
آبلوں کی ہے ہر اک آہ مکینِ دلِ صاف
ہے تعجب تو اسی کا کہ نہ در ہے نہ شگاف
کھنچے جو نقش سرِ بحر اُنہیں بھر آیا
کس طرح بند حبابوں میں ہوا کر آیا

(۶۸)

لے چلی ہے سوئے گردوں جو اُڑا کر صرصر
عکسِ رہوار نے میداں میں یہ ڈالا ہے اثر
لوٹی جاتی ہے اگر گرد پہ پڑتی ہے نظر
سبزئ جلد سے ہے خاک کی دھانی چادر
وحشیوں کی ہے وہ وحشت جو پکار آئی ہے
اُڑ رہی ہے یہ خبر رن میں بہار آئی ہے

(۶۹)

دلِ عُشاق پہ کب تک یہ تعدّی یہ ستم
دے رہے ہیں ترے اُلجھے ہوئے گیسو کی قسم
وہ اُٹھا لے ارے جو ناز سے رکھا ہے قدم
غنچۂ نقشِ قدم دیکھیں گے ہنستے ہوئے ہم
کچھ وہی جانتے ہیں جن پہ بلا آتی ہے
کھِلنے والی جو کلی ہے وہ دبی جاتی ہے

(۷۰)

آرہی ہیں یہ حسینوں کی صدائیں پیہم
دیکھنے والوں پہ ہیں (پاؤں کی پتلی کے ستم)
تجھے کاہے کو خبر ہوگی جو بسمل ہوئے ہم
چوٹ پڑتی ہے کلیجہ پہ جو اُٹھتا ہے قدم
خاک تن سے کہ قبائے سفری اُتری ہے
نعل میں ضو ہے کہ شیشے میں پری اُتری ہے

(۷۱)

مہندی ملنا ہے حسینوں کا جہاں میں شیوا
ارے او ظلم کے بانی تجھے زینت سے ہے کیا
پاؤں میں خونِ جگر بٹ گیا شاہد ہے ادا
سرخ ہے نعل کہ کترے ہوئے ناخن پہ حنا
جس جگہ پاؤں دمِ گرم روی ڈالے ہیں
نعل کے نقش نہیں آگ کے پرکالے ہیں

(۷۲)

کر گئی تھی جو زمانے میں تغیّر تری چال
کچھ دنوں ہو نہ سکا دہر میں فرقِ مہ و سال
اس سے بہتر نہ ملی اوج پہ نعلوں کی مثال
خوں میں ڈوبے ہوئے نکلا کئے گردوں پہ ہلال
جلوۂ مہ نہ ہوا چرخ پہ نابود رہا
آسماں چار مہینہ شفق آلود رہا

(۷۳)

کبھی آغازِ روانی تھا کبھی تھا انجام
اس طرح پڑ رہے تھے دشت میں بڑھتے ہوئے گام
رن میں یوں منزلیں ہوتی تھیں مسافر کی تمام
اوّلِ صبح کبھی تھا تو کبھی اوّلِ شام
چال سے رنگ زمانے کا بدل جاتا تھا
ہر قدم ختمِ مسافت کی خبر لاتا تھا

(۷۴)

طے اِدھر کر رہا تھا تیزی و سرعت سے یہ راہ
لی تھی صرصر نے اُدھر گرد کے دامن میں پناہ
اس طرف تھی نگراں دیر سے کوفہ کی سپاہ
رن میں تھی اُلجھی ہوئی خاک کے پردے سے نگاہ
رنگ رفتار کا نظروں میں سماتا ہی نہ تھا
جس کو دل ڈھونڈتے تھے وہ نظر آتا ہی نہ تھا

(۷۵)

دیر کے بعد کھلی حالت میدانِ ستم
ایک سے اک یہ بیاں کرنے لگا کھا کے قسم
عکس دیتا ہوا آتا ہے وہ رن میں پرچم
دھانی دھانی ہے جہاں خاک، وہیں پر ہے علم
چادرِ گرد ہے اُلٹی ہوئی مسند کی طرح
ذرّے دیکھو وہ چمکتے ہیں زبرجد کی طرح

(۷۶)

رنگ فق رعبِ غضنفر سے سماوات کا ہے
عزم میدان میں دشمن کی ملاقات کا ہے
رخ کے تیور یہ بتاتے ہیں دھنی بات کا ہے
جنگ کا جوش ہے یا جاگا ہوا رات کا ہے
ہر بگولے کی طرح زلف کو پھیر آتا ہے
رن میں انگڑائیاں لیتا ہوا شیر آتا ہے

(۷۷)

نشۂ جوشِ جوانی سے ہر اک آنکھ ہے مست
کھائی ہے غیظ بھرے رخ سے زمانے نے شکست
لے کے رہوار کو اُڑ آئے اسد گر کرے جست
دل کو کھینچے لئے جاتی ہے دو زانو کی نشست
غیظ رہوار کو بھی رنگ پہ لائے ہوئے ہے
شیر اک صید کو رانوں میں دبائے ہوئے ہے

(۷۸)

تیز بے حد ہے جو میداں میں جری کا رہوار
کوند جاتا ہے نگاہوں میں فرس صاعقہ وار
تیغِ پُر آب کو ممکن نہیں کاٹھی میں قرار
جھولے لیتے ہوئے آتی ہے کمر کی تلوار
لطف دکھلا رہی ہے ہوش کی کھونے والی
خود تلاطم میں ہے بیڑے کو ڈبونے والی

(۷۹)

ذکر یہ تھا جو فرس آ گیا فوجوں کے قریں
اک طرف بیٹھ گئی وہ جو ہوا پر تھی زمیں
عشق اور حسن سے گزری تھی جو عالم میں کہیں
وہ نگاہوں کو تجلی نظر آئی سرِ زیں
چھوٹ بجلی کی پڑی اسلحے ضو دینے لگے
عکسِ رخسار سے چار آئینے لو دینے لگے

(۸۰)

محوِ دیدِ رخِ روشن تھی اِدھر فوجِ ستم
اُس طرف تھمنے ہی کو تھا فرسِ برق شیم
جتنے پھیلے ہوئے جادے تھے ہوئے اُتنے ہی کم
ختم منزل ہوئی جب بڑھ کے پڑے چار قدم
متصل آ جو گئی تند نفس روک لیا
رن میں چمکار کے غازی نے فرس روک لیا

(۸۱)

تھم کے دم بھر یہ پکارا شہِؑ مرداں کا پسر
جانتے ہو کہ نہیں، کس کا ہوں میں نورِ نظر
کون ہے بعدِ نبیؐ، خلق میں سب سے بہتر
کس کو کہتے ہیں جری، فاتحِ جنگِ خیبر
کچھ خبر ہے جو دمِ لغزشِ پا کہتے ہیں؟
دوست دشمن کبھی گرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟

(۸۲)

جو رہا قوتِ بازوئے پیمبرؐ وہ علیؑ
جس نے پسپا کئے ہیں کفر کے لشکر وہ علیؑ
جس کے حملوں نے بگاڑے ہیں مقدر وہ علیؑ
تہہ و بالا کیا جس نے درِ خیبر وہ علیؑ
کون تھا اتنا قوی شاہِ حجّازی کی طرح
چرخ پر پھینک کے روکا گلِ بازی کی طرح

(۸۳)

جو رہا شارعِ احکامِ رسالت وہ علیؑ
جس کی مشہورِ دو عالم تھی سخاوت وہ علیؑ
جس سے ہے زینتِ محرابِ عبادت وہ علیؑ
خاص کعبہ میں ہوئی جس کی ولادت وہ علیؑ
اس سے بہتر نہ شرف ہوگا بشر میں پیدا
ہوا مولود یہ اللہ کے گھر میں پیدا

(۸۴)

حق نے بخشا جنہیں فردوسِ (منعم) وہ علیؑ
ہوئے اسرارِ لدنّی سے جو محرم وہ علیؑ
بعدِ احمدؐ ہیں جو خلقت سے مقدم وہ علیؑ
جو رہے زینتِ پیشانیِ آدمؑ وہ علیؑ
نور حیدرؑ کا جو ہنگامِ نظارہ چمکا
خاک کا پیکرِ آدمؑ میں ستارہ چمکا

(۸۵)

جس نے منوا دئے احکامِ شریعت وہ علیؑ
جس نے بدلی ہے زمانے کی طبیعت وہ علیؑ
جس نے پائی ہے سرِ عرش کی رفعت وہ علیؑ
جس نے مس پاؤں سے کی مہرِ نبوت وہ علیؑ
دوشِ احمدؐ پہ جو جبریل کا اُستاد آیا
جب قدم کعبہ میں دیکھے تو خدا یاد آیا

(۸۶)

جس کے انسان و بنی جاں پہ ہیں احساں وہ علیؑ
جس کے ہیں لوح و قلم تابعِ فرماں وہ علیؑ
جس کا دم بھرتے ہیں عالم میں مسلماں وہ علیؑ
جس کے بازو نے قوی کردیا ایماں وہ علیؑ
حق کو باطل سے زمانے میں جدا کہنے لگے
لب پہ جن جن کے صنم تھا وہ خدا کہنے لگے

(۸۷)

جس نے کی شاہؐ رسالت کی وزارت وہ علیؑ
حکم جس کا ہے ترازوئے عدالت وہ علیؑ
حق نے جس سر کو دیا تاجِ امامت وہ علیؑ
جو رہا زیب دہِ تختِ خلافت وہ علیؑ
تُحَف اللہ کے جبریل تھے لانے والے
سبقت لے گئے ہاشم کے گھرانے والے

(۸۹)

تھے اِدھر محوِ ثنا رن میں علمدارِ جری
تیر سر کرکے کمانوں نے اُدھر آہ بھری
نظر آئی جو خدنگوں کی یہ آشفتہ سری
لے کے انگڑائی چلی میان کے شیشے سے پری
حسن اک پردہ نشیں کا قمر آرا چمکا
سَحرِ حشر کا میداں میں ستارا چمکا

(۸۹)

صبر کیا بے ادبی پر کریں نازوں کے پلے
بل وہ ابرو پہ پڑے جو نظر آتے ہیں بھلے
فوج بڑھ آئی اُدھر باڑھ پہ رکھنے کو گلے
آپ اِدھر چوم کے تلوار کے قبضے کو چلے
تیغ کہنے لگی اعدا سے فسانہ اُلٹا
آستینیں جو اُلٹ لیں تو زمانہ اُلٹا

(۹۰)

لڑنے آیا جو لعیں جاں سے وہ بیزار آیا
صفتِ برق، فرس جانبِ کفّار آیا
حق تعالیٰ کا غضب بہرِ گنہگار آیا
صفِ اول پہ بڑے غیض میں جرار آیا
کھا کے بل دوش پہ گیسوئے سیہ چھوٹ گئے
خون میں جوش بڑھا، بندِ قبا ٹوٹ گئے

(۹۱)

رن میں شمشیرِ غضنفر کا انوکھا ہے یہ ڈھنگ
سیکڑوں سے تنِ تنہا ہے وغا کا آہنگ
یہ نڈر ہے کہ نہ ہے خوف نہ دہشت دمِ جنگ
قہر ہوتی ہے زمانے سے جوانی کی امنگ
سینہ تانے ہوئے رن میں پئے پیکار چلی
فوجِ دشمن پہ اکڑتی ہوئی تلوار چلی

(۹۲)

قابلِ عفو اگر ہوں تو بحِل کر دے قصور
چاہئے تھا تجھے بے دردیوں میں رحم ضرور
مئے دو آتشہ حسن جوانی سے ہے چور
پہلے ہی وار میں ظالم یہ کرشمے، یہ غرور
چال تیرا ترے گیسو نے سمٹ کر دیکھا
جس کی جاں لے لی اُسے پھر نہ پلٹ کر دیکھا

(۹۳)

حسن کی شمع دمِ جنگ و جدل جلنے لگی
خون رخسار پہ غازی کی طرح ملنے لگی
سرِ عشاق سے راحت کی گھڑی ٹلنے لگی
امتحاں گاہ محبت میں چھری چلنے لگی
اتنے بے خود تھے بلا حسن کی لینے والے
سبقت کرنے لگے جان کے دینے والے

(۹۴)

تیغ پر ہے دلِ عشّاق کی سوزش کا اثر
خون پینے سے اُبھر آئے ہیں تن پر جوہر
کون کہتا ہے کہ رکھتی نہیں عاشق کی خبر
رحم آ جاتا ہے ہو حال اگر نوعِ دگر
اس کا رکھتی ہے نشاں جس کو ستائے ہوئے ہے
دل کے چھالوں کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہے

(۹۵)

ہیں فدا حسن پہ دنیا سے گزرنے والے
دل کو تھامے ہوئے ہیں آہ کے بھرنے والے
چشمِ جوہر سے گلے کرتے ہیں کرنے والے
اک اشارے کے گنہگار ہیں مرنے والے
سرمگیں آنکھ کی تاثیر اُٹھائی نہ گئی
دل کی تھی چوٹ تو عشاق سے کھائی نہ گئی

(۹۶)

رن میں بکھرائے ہوئے دوش پہ گیسو آئی
چشمِ جوہر سے بہاتی ہوئے آنسو آئی
پرتوِ رخ سے نہ راحت کسی پہلو آئی
کشتیٔ تن وہ ہوئی غرق، جسے چھو آئی
تھا جو جوشِ یمِ خوں تیغ کا سینہ ڈوبا
غل ہے، ٹکرا کے سفینہ سے سفینہ ڈوبا

(۹۷)

جب گری تیغ، اُبلتا ہوا اُٹھا پانی
ہو گیا ڈوبنے والوں کو مسیحا پانی
جوش، ہنگامِ وغا کھاتا ہے کیا کیا پانی
فوج کے فرق سے اک ہاتھ ہے اونچا پانی
ڈوب جاتے ہیں تو گردش کا اثر پڑتا ہے
سر پہ تلوار کے جوہر کا بھنور پڑتا ہے

(۹۸)

تھا نہ ہنگامِ وغا تیغِ جری کا ثانی
جس پہ آئی اُسے غم دے کے گئی روحانی
تھے دمِ جنگ عجب طرح ستم کے بانی
زرہیں تھیں گرمیِ رفتار سے پانی پانی
جب گری سر پہ پسینہ میں نہا کے اُٹھی
آنچ تلوار کی لوہے کو گلا کے اُٹھی

(۹۹)

دلِ عشاق پہ جب تک رہی وہ ظلم شعار
خود اُٹھائے رہی رن میں تنِ مجروح کا بار
اس کی شوخی کے کرشمے نہ ہوئے کچھ اظہار
کیا بنائے گی کہیں اپنے شہیدوں کے مزار
مرنے والے دلِ گیتی کو ہلا کے اُٹھے
تیغ کی باڑھ پہ لاشے شہدا کے اُٹھے

(۱۰۰)

ہے کہیں ناز جدا اور کہیں انداز جدا
دلِ مجروح کو تلوار کی بھاتی ہے صدا
جب گری قتل کیا، جب یہ اُٹھی ذبح کیا
آئی جس سر پہ، لیا اپنی جوانی کا مزا
صفیں اعدا کی دمِ جنگ مکرر کاٹیں
عمریں تلوار نے انگڑائیاں لے کر کاٹیں

(۱۰۱)

یوں نہ خالی یہ کریں گے کبھی دنیا کے مکاں
چارہ گر ہو کوئی جس وقت یہ ہوں زیں پہ تپاں
ہو نگہباں کوئی رن میں پئے حفظِ زرِ جاں
گرنے والوں کے لئے چاہئے اتنے ساماں
جب جہاں سے یہ اُٹھیں حشر اُٹھا کے اُٹھیں
تیغ کا ہاتھ اُٹھے پاؤں قضا کے اُٹھیں

(۱۰۲)

آ رہی ہیں یہ غضنفر کی صدائیں ہر بار
ہے بہادر کوئی اتنا کہ جو روکے تلوار
جلد اب ختم کرو دشتِ وغا کی پیکار
شیر بگڑا ہوا ہے چھوڑ دو دریا کی کچھار
چند بچّے تھے مُصِر نہر پہ جانے کے لئے
مشک بھرنا ہے ہمیں پیاس بجھانے کے لئے

(۱۰۳)

لڑنے وہ آئے، ہو جس سر میں شجاعت کا غرور
تیر اُڑتے ہوئے چلّوں سے کمانوں کے ہیں دور
سپروں میں نہ ضیائیں ہیں نہ پھالوں میں ہے نور
پرتوِ حسن سے جل کر یہ ہوئیں صورتِ طور
خلق میں وجہ پراگندگیِ ظالم ہوں
ڈھالیں شاہد ہیں کہ میں ماہِ بنیؑ ہاشم ہوں

(۱۰۴)

کون تھم سکتا ہے رن میں دمِ جوشِ غضبی
ہوں میں ہی زیب دہِ مسندِ عالی نسبی
ہیں چچا میرے زمانے میں رسولؐ عربی
خلق کہتی ہے مجھے ہاشمیؑ و مطلبیؑ
ضو فگن مہر کے مانند حسب ہے میرا
سارے عالم میں ابوالفضلؑ لقب ہے میرا

(۱۰۵)

کب تلک لڑتے ہیں ہنگامِ وغا اہلِ حسد
قلب کو دیر سے دریا کی ترائی کی ہے کد
اور چاہیں جسے بلوا لیں اُسے بہرِ مدد
کہیں رُک سکتا ہے میداں میں شِغالوں سے اسد
میرے ہی باپ کو خالق کا ولی کہتے ہیں
شیر وہ ہوں، جسے عباسِ علیؑ کہتے ہیں

(۱۰٦)

تہلکہ ڈالے ہوئے تھا پسرِ شیر الٰہ
تہہ و بالا تھی ہر اک ضرب پہ میداں کی سپاہ
غیظ آلود وہ چتون کہ نہ تھی جس کی پناہ
خوں چھلک جاتا تھا جس زخم پہ پڑتی تھی نگاہ
تیوریاں خون کے دریا کو چڑھا دیتی تھیں
پتلیاں دورِ جراحت کو بڑھا دیتی تھیں

(۱۰۷)

ہے جو بے حد غضبِ بازوئے شاہنشہِ دیں
کروٹیں لے رہی ہے گرد کے پردے میں زمیں
رن میں ضو دیتی ہوئی تیغ ہے ہر سر کے قریں
بال سی دھار میں جکڑا ہوا ہے لشکرِ کیں
بڑھ نہ سکتے تھے نہ فوجوں کے قدم ہٹتے تھے
تیغ جس سمت کو چلتی تھی گلے کٹتے تھے

(۱۰۸)

رشتۂ تیغ سے وابستہ ہے کل فوجِ گراں
اُس سے آگاہ ہے تلوار عیاں ہو کہ نہاں
چھوڑ دے خود پہ جسے رن میں وہ پاتا ہے اماں
بچ نہیں سکتا کوئی وقتِ وغا دشمنِ جاں
اس کا کتبہ ہے جو لکھّا ہوا تقدیر میں ہے
جو جہاں ہے نگہِ جوہرِ شمشیر میں ہے

(۱۰۹)

بُرّشِ تیغ سے بچتے تھے نہ گھوڑے نہ سوار
آسماں کو نہ سکوں تھا نہ زمیں کو تھا قرار
خاک و خوں مل گئے یوں دشت میں وقتِ پیکار
چھینٹیں اُڑتی تھیں لہو کی اگر اُڑتا تھا غبار
رن میں ڈھانکے ہوئے تھی تن کی خرابی چادر
خاک آلود تھی مجروح گلابی چادر

(۱۱۰)

شیر لشکر پہ جھپٹتا تھا اِدھر اور اُدھر
اک کو گر چھوڑ دیا ایک کی لی بڑھ کے خبر
کبھی فوجوں کو دبایا کبھی مارے افسر
میمنہ رن میں نہ سالم تھا نہ قلبِ لشکر
یوں جواں مردیوں سے تیغِ شرر بار چلی
کھنچ کے آئی جو نہ کاٹھی میں وہ تلوار چلی

(۱۱۱)

قوّتِ بازوئے غازی کا نہ تھا رن میں جواب
تھی ہر اک ضرب پہ مٹّی سپہِ کیں کی خراب
دل یہ کہتا ہوا جاتا تھا دمِ جوشِ عتاب
پھر وہی وار، وہی غیظ، وہی زورِ شباب
روح کے صید رہیں دام میں تڑپائے ہوئے
مٹنے پائیں نہ ابھی زلف کے بل آئے ہوئے

(۱۱۲)

خبرِ برہمیِ طبع بتاتی ہے نگاہ
فوج پا سکتی ہے اِس سمت نہ اُس سمت پناہ
رن میں لے آئے ہیں کاوے میں بصدعزت وجاہ
بیچ میں نقطۂ پرکار کی صورت ہے سپاہ
جتنا لشکر برشِ تیغ سے کٹ جاتا ہے
اُس قدر وقتِ وغا دائرہ گھٹ جاتا ہے

(۱۱۳)

دم بدم پیکِ قضا خون پئے جاتا ہے
زخم پر زخم جری رن میں دیئے جاتا ہے
امتحانِ سپہِ ظلم کئے جاتا ہے
یوں سمیٹے ہوئے فوجوں کو لئے جاتا ہے
رن میں اعدا پہ بلا تیغ کی آئی ہوئی ہے
جس قدر بھیڑ ہے پتلی میں سمائی ہوئی ہے

(۱۱۴)

رن میں چل سکتا نہیں تیغِ جری سے قابو
نیم بسمل تو کوئی نیم بریدہ ہے گلو
موت آنے سے تماشا ہے ہر اک عربدہ جو
ہیں جدھر اسلحے، بہتا ہے اُسی سمت لہو
جب ہوا چلتی ہے مل مل کے ستمگاروں سے
خون ٹکراتا ہے ٹوٹی ہوئی تلواروں سے

(۱۱۵)

ہوش کھوئے ہوئے ہے یوں سپہِ ظلم شعار
اپنے ہی جسم پہ پڑ جاتی ہے اپنی تلوار
تیغیں آپس میں جو لڑ جاتی ہیں وقتِ پیکار
اس قدر وقتِ وغا گونج رہی ہے جھنکار
طبل کی رن میں دھمک ہوش اُڑا جاتی ہے
باجے بجتے ہیں تو تیغوں کی صدا آتی ہے

(۱۱۶)

دہشتِ جاں سے کوئی بھر نہیں سکتا نالے
سرنگوں خاکِ مذلّت پہ پڑے ہیں بھالے
رن سے یوں بھاگ گئے جان کے دینے والے
نظر آتے ہیں نشاں دور پہ کالے کالے
تیغ راغب ہے تن و سر کی جدائی کی طرف
بادل اُمنڈے ہوئے جاتے ہیں ترائی کی طرف

(۱۱۷)

اچھے ہوں گے نہ تنِ فوج کے گہرے ہیں جو گھاؤ
جتنا بڑھ آیا تھا میداں میں گھٹا اُتنا جماؤ
ڈوبنے جاتی ہے دریا کی طرف فوج کی ناؤ
کوئی کہہ دے پسرِ سعد سے لٹتا ہے پڑاؤ
منتشر ہو جو گئیں دور وہ باتیں پہنچیں
سم سے لپٹی ہوئی دریا پہ قناتیں پہنچیں

(۱۱۸)

اس تلاطم میں جو تھا ہوش وہ کھوئے ہوئے تھا
چار چوبوں پہ جب آتی تھی ہواؤں سے بلا
منقلب ہونے سے بھی لطف دکھاتے تھے نیا
پائی خالی جو جگہ کرلیا رن پر قبضہ
تیغِ بیداد سے دامانِ زمیں پھاڑ دیئے
رن میں اُلٹے ہوئے خیموں نے کلس گاڑ دیئے

(۱۱۹)

بدحواسی کا برا ہو، نہیں اس پر بھی خبر
کس کا برباد ہوا نے کیا، چھوٹا ہوا گھر
اب تو فکر اِس کی ہے ہو تیغ سے جاں کا نہ ضرر
نہر چھن جائے کہ بچ جائے، ملے جائے مفر
دل کی حسرت ہے کہ یوں دارِ جہاں میں چھپ جائیں
در کھلے ہوں تو حبابوں کے مکاں میں چھپ جائیں

(۱۲۰)(ساقی نامہ)

غیظ میں ہے جو دل و جانِ امامِ اوّل
کسی پہلو نظر آتی ہی نہیں فوج کو کل
بارشِ خون سرِ تیغ بھرے گی جل تھل
کھل نہ جائیں کہیں دریا پہ برس کر بادل
بہرِ زخم اُبلی ہوئی آنکھ کے دورے لے لوں
مئے کے پینے کو حبابوں کے کٹورے لے لوں

(۱۲۱)

رنگ مرغوب ہے ہنگامِ جوانی دھانی
فصلِ بارش میں ہے موسم کی نشانی دھانی
مئے کے ہوتے میں پیئوں کاہے کو پانی دھانی
کالی کالی ہے گھٹا جام ہوں دھانی دھانی
دل سے اُٹھتے نہیں انداز ستمگاری کے
پھائے زخموں پہ چڑھا مرہمِ زنگاری کے

(۱۲۲)

بامِ امید سے خالی نہیں جاتی ہے کمند
تیری محفل میں ترے رند کے رتبے ہیں بلند
یہ درِ میکدہ کا مجھ کو طریقہ ہے پسند
آنکھ کھولوں تو کھلے، بند کروں گر تو ہو بند
جو کڑی ہے مرے آنسو کی کڑی ہے ساقی
نگہِ شوق کی زنجیر پڑی ہے ساقی

(۱۲۳)

وہ مجاہد ہے کہ کرتا ہے خدا جس کی مدد
کون وہ وار تھے غازی نے کئے تھے جو نہ رد
دیر تک دھوپ میں کھیلا ہے شغالوں سے اسد
فتح میدان سے پائی ہے بصد کوشش و کد
آ گیا رن کی لڑائی میں پسینہ ساقی
آج دریا پہ چلے مئے کا سفینہ ساقی

(۱۲۴)

ایک تلوار نے کھو دی ہے ہزاروں کی امنگ
لبِ دریا ہے سپہ شیر کے غصّہ سے بتنگ
دمبدم حشر کے حملہ ہیں ترائی کی ہے جنگ
دیکھ وہ آئینہ آب میں اُڑتا ہوا رنگ
مر کے ڈوبیں گے سپاہی میں جیوُں گا ساقی
بادۂ خمِ غدیر آج پیئوں گا ساقی

(۱۲۵)

جام میں دیکھ رہا ہوں سپہِ خانہ خراب
سرِ ظالم پہ وہ تیغ آئی بصد قہر و عتاب
کاسۂ فرق وہ دو ہو گیا مانندِ حباب
دیکھ ساقی وہ ہوئی خون جو دھانی تھی شراب
تو یہ کہتا ہے کہ تِلّی کا اثر پڑتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ دریا میں بھنور پڑتا ہے

(۱۲۶)

تیری گھبرائی ہوئی چال کی اللہ رے ستم
مئے کے گر جانے کا بالائے زمیں پوچھ نہ غم
دل اُلجھنے لگا بے حد ترے گیسو کی قسم
نزع میں سنتا ہوں رگ رگ سے یوں ہی کھنچتا ہے دم
کیا بتاؤں مرا دل بزم میں کیونکر ٹوٹا
ہچکیاں آنے لگیں گر کے جو ساغر ٹوٹا

(۱۲۷)

خوف کھائے ہوئے تقریر سے ناچار ہوا
وہ بیاں رہ گیا لکنت سے جو بیکار ہوا
کچھ ہوئی عفوِ گنہ کچھ میں سزاوار ہوا
بے خطا شانہ کشِ زلف گنہگار ہوا
آ چلی تھی مری تقریر سلجھ کر ساقی
ہاتھ بندھوا دیئے گیسو نے اُلجھ کر ساقی

(۱۲۸)

لے کے ساغر تپشِ مہر میں کس دل سے پیئے
جام جلتے ہوئے خالی مگر آنکھوں نے کیئے
عکس گرتے ہوئے قطروں کے یہاں تک تو لئے
زخم اُڑتی ہوئی چنگاریوں نے ڈال دیئے
دیکھ وہ کی نگہہ جام نے چشمک ساقی
پتلیاں ہو گئیں محفل میں مشبک ساقی

(۱۲۹)

جو مزا موت میں ساقی ہے وہ جینے میں نہیں
جوش آنسو میں ہے، شیشے کے پسینے میں نہیں
دل مرا حسن کی تاثیر سے سینے میں نہیں
لطفِ نظارہ ہے جو، مئے کے وہ پینے میں نہیں
رشک اُنہیں بھی ہے جو ہیں اچھے مقدر والے
بے پئے مست ہوئے ساقیٔ کوثر والے

(۱۳۰)

تجھ کو جو بات نہ کرنی ہو وہ منظور نہ کر
قلب اُکھڑی ہوئی تقریر سے رنجور نہ کر
داغِ دل کو صفتِ شمع سرِ طور نہ کر
ساقیا! تذکرۂ گرمیٔ عاشور نہ کر
دل کو تڑپایا ہے شعلہ نے تپاں بن بن کے
مئے اُڑی جاتی ہے ساغر سے دھواں بن بن کے

(۱۳۱)

شاہؑ کے بھائی کی مشہور ہے عالم میں وفا
دھوپ گو لاکھ ہو مانیں گے نہ ہرگز کہنا
خشک لب ہائے حسینؑ ابن علیؑ کا صدقہ
جامِ مئے لے کے ارے جوشِ محبت میں نہ جا
دل وہ دل ہے جو دمِ تشنہ دہانی نہ پیئے
کیا وہ مئے لے گا جو پایا ہوا پانی نہ پیئے

(۱۳۳)

جوش اگر بحر پہ ہے دل میں وغا کا ساقی
یہ نتیجہ نہ لڑائی کا سمجھنا ساقی
ہے جو پیاسا تو چلا ہے سوئے دریا ساقی
اپنے پینے کی تمنا نہیں حاشا ساقی
آرزو بحر کی ہے خشک زبانوں کے لئے
تیغ چلتی ہے کبھی تشنہ دہانوں کے لئے

(۱۳۴)

جوششِ طبع سے پیدا ہے یمِ غم کا خروش
جنہیں باتوں کی ہے عادت نہیں رہتے وہ خموش
ذکر پر ذکر سے مئے کے یہ بڑھا قلب کا جوش
بر ہے یا بحر ہے ساقی مجھے اتنا نہیں ہوش
طرفِ میکدہ جس وقت ہوا آتی ہے
کہیں تلوار کے چلنے کی صدا آتی ہے

(۱۳۵)

نشہ سے دیکھ کے بے خود مجھے ساقی نے کہا
دیکھ وہ رہ گیا ہے چار قدم پر دریا
وہ اسد نے کیا بڑھ کر لبِ ساحل حملہ
تیغ وہ سن سے چلی، جانبِ افواجِ جفا
روح پہلو سے جو نکلی تو بہت دل تڑپا
اُس طرف موج، اِدھر خاک پہ بسمل تڑپا

(۱۳۵)

کھا کے کہتا ہوں کسی برہمنٔ دل کی قسم
نہ یقیں ہو تو نظر بحر پہ کر لے کوئی دم
منتشر ہو چلا ہے مجمعِ اربابِ ستم
وہ ہواؤں سے لچکتا ہوا جاتا ہے علم
صرصر آ کر سرِ رایت سے جو ٹکراتی ہے
بھاگو بھاگو کی پھریرے سے صدا آتی ہے

(۱۳۶)

اب کہاں تاب تھی اتنی کہ جو کرتا میں قیام
مسکراتا ہوا جھپٹا طرفِ لشکرِ شام
یہ سنے غیظ بھرے نہر پہ غازی کے کلام
نظر آتا نہیں اِس جنگ کا اچھا انجام
تم یہ کہتے ہو کسی طرح نہ ساحل دیں گے
ہم کو یہ ضد ہے کہ دریا کی ترائی لیں گے

(۱۳۷)

ہے فرات اپنی ہمیشہ سے، کرو غور ذرا
یاد تو ہوگی ابھی رزمِ شہِ کرب و بلاؔ
اہلِ صفین سے پوچھو کہ ہے دریا کس کا
سن لو دو بھائیوں پر بٹ گیا مہرِ زہراؑ
اس زمیں پر ہو لحد یہ مری تقدیر میں ہے
کچھ مری ملک میں کچھ حصہ شبیرؑ میں ہے

(۱۳۸)

لاکھ پھیلی ہوئی ظلمت ہو نہاں ہوگا نہ نور
کاٹ دوں گا سپروں کی ہیں جو راتیں مشہور
میری تلوار کا شعلہ ہے چراغِ سرِ طور
جو نکل جائے گا منہ سے وہ کروں گا میں ضرور
غضب آ جائے گا ابرو پہ نہ بل آنے دو
دیکھو بابا کے علم کی نہ قسم کھانے دو

(۱۳۹)

کسی غازی کو نہیں ٹوکنا اچھا دمِ جنگ
دیکھی ہوگی نہ کبھی زورِ جوانی کی امنگ
خیر وہ دیکھو بزرگوں نے جو سکھلائے ہیں ڈھنگ
تم کو خیبر کی لڑائی کا دکھاتے چلیں رنگ
موت کی طرح سے دشمن صفِ جنگاہ کا ہوں
اور کوئی نہیں بیٹا اسد اللہ کا ہوں

(۱۴۰)

زور کفّار کا کس جنگ میں حیدرؑ سے چلا
کہیں شیروں نے بھی منہ موڑا ہے لڑنے میں بھلا
شہرت اسلام کو دی تیغ پہ رکھ رکھ کے گلا
شہؑ کو میں چھوڑ دوں گو ہوں اُسی گودی کا پلا
فوجیں اُلٹوں گا کئی روز کے پیاسے کے لئے
باپ نانا کے لئے تھے میں نواسے کے لئے

(۱۴۱)

مجھ کو جو شہؑ سے محبت ہے وہ ہے کُل پہ جلی
بارہا خاک قدم چہرے پہ لے لے کے ملی
جگر و قلب ہیں قربانِ ولی ابن ولی
ہوں میں ہی قوتِ بازئے حسینؑ ابن علیؑ
آئے وہ سامنے جو مرگ پہ دلدادہ ہے
اُس کا خادم ہوں جو جبریلؑ کا شہزادہ ہے

(۱۴۲)

تم کو اس منہ پہ جواں مردیوں کا ہے دعوا
کیسی غیرت ہے کہ آتی نہیں اس پر بھی حیا
کوئی سیراب کئی دن کا کوئی ہو پیاسا
کیوں، یوں ہی کرتے ہیں کیا اپنے مقابل سے وغا؟
مکرِ موروثیِ افواج سے ہشیار ہوں میں
تشنہ لب ہے جو سپہ اس کا علمدار ہوں میں

(۱۴۳)

خوگر رحم نہیں وہ ہے جنہیں قدرِ عتاب
ہائے کیا جانوں کہ کیا ہوتی ہے نایابی آب
آج بند آب کرو، ہوئے گا کل تم پہ عذاب
پانی دینا کسی پیاسے کو یہ ہے کارِ ثواب
یہ صلے دوست کے ہیں اور وہ صلے دشمن کے
آبرو پائی سکینہؑ کا بہشتی بن کے

(۱۴۴)

کہہ کے یہ نشۂ جرأت سے ہوا دل مدہوش
خونِ موروثیِ جرّار کو یوں آ گیا جوش
آئے بل کھا کے کئی مرتبہ گیسو سرِ دوش
دفعتاً فوج میں پیدا ہوا یہ ڈر کے خروش
وہ وغا میں اثرِ چشم فسوں گر بدلے
وہ علیؑ آ گئے، وہ شیر کے تیور بدلے

(۱۴۵)

بڑھا اُس سمت دل و جانِ شہِؑ قلعہ شکن
اِدھر اُف کہہ کے کھڑے ہو گئے سلطانِ زمنؑ
گوشِ زینبؑ تک ادھر آئے جو فوجوں کے سخن
ڈیوڑھی تک صحن سے کہتی ہوئی آئی یہ بہن
حال ابتر یوں ہی رن میں صفِ گمراہ کا تھا
میں فدا ہوں یہی غصّہ اسد اللہ کا تھا

(۱۴۶)

ہے اسی غیظ بھرے رخ کی تمنا مجھ کو
چاہتی ہوں کہ دکھائی دے سراپا مجھ کو
نظرِ بد کے خیال آتے ہیں کیا کیا مجھ کو
آج اس غیظ سے یاد آ گئے بابا مجھ کو
تم سے دردِ جگر و دل کی دوائیں لے لوں
منہ ادھر کر لوں تو چہرے کی بلائیں لے لوں

(۱۴۷)

ہاں مرے شیر، یہی ہاتھ، یوں ہی وار پہ وار
کوفہ کیا دور ہے فوجوں کو نہ لینے دو قرار
بیٹھنے پائے نہ اُڑتا ہوا دریا کا غبار
یہی کوشش ہے تو سادات کا بیڑا ہوا پار
ہے بہت قربِ وطن دشت کے عازم کے لئے
گھر پہ ہم بعدِ ظفر روئیں گے قاسمؑ کے لئے

(۱۴۸)

فتح گر ہو تو غمِ عونؑ و محمدؑ بھی نہیں
ہجرِ انصار میں بھی ہوگا نہ یوں قلب حزیں
ہدیۓ مقبول ہوئے بچ گئے شاہنشہِ دیں
جو ہوا خیر ہوا چادریں تو سر پہ رہیں
حد کی مایوسیوں میں پاس تمنا رکھا
اُس کے قربان ہوں جس نے مرا پردا رکھا

(۱۴۹)

نام قاسمؑ کا دمِ جنگ جو غازیؑ نے سنا
پھر گیا آنکھ میں اک شب کے بنے کا نقشہ
یوں کھنچا قلب کہ رخ ہو گیا سوئے صحرا
منہ سے بے ساختہ آواز دی، بیٹا بیٹا
اُس کو سنتے ہو جو آوارہ وطن کہتی ہے
چلو گھر چلنے کو ناشاد بہن کہتی ہے

(۱۵۰)

دور ہو گھر سے بہت قلب یہ غم سہتا ہے
ہول بڑھ جاتا ہے یوں آبِ رواں بہتا ہے
کیسی شب، دن ہی کو تاریک یہ بن رہتا ہے
ہائے کیونکر وہ کہوں جو مرا دل کہتا ہے
اپنے کمسن کے قریں قبر ہو گر مر جائیں
حد کا ویراں ہے یہ بن چھوڑ کے کیونکر جائیں

(۱۵۱)

ہائے یہ رن کی تپش اور یہ بچپن کی قضا
خیر اب ہے تو یہ ہے دل کے تڑپنے کی دوا
اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں اے بیٹا
دیکھو دیکھو میں لئے لیتا ہوں خوں کا بدلا
فوج پر بابِ اماں بند کئے آتا ہوں
کاٹ کر فرقِ بنِ سعد لیے آتا ہوں

(۱۵۲)

اک جہاں تیغ کی جھنکار سے میداں میں مَرے
کان پر صورِ سرافیل بھی ہاتھوں کو دھرے
دیکھوں میں،خواہرِ شہؑ قلب سے آہوں کو بھرے
کہہ کے یہ باگ کو تھاما ہے، خدا خیر کرے
گھر کے لٹنے کا ہے ڈر خیموں کی بربادی سے
اے مقدر، نہ خجل کیجیو شہزادی سے

(۱۵۳)

غیظ پہ پا کے پکار اُٹھے شہِؑ عرش حشم
لڑتے لڑتے ہوئی کاہے کو طبیعت برہم
آج کیا وہ بھی نہ مانوگے جو خواہش کریں ہم
بھائی بابا کے علم کی کہیں کھانا نہ قسم
نیشِ غم رنج نہ دے قلب میں گڑتے گڑتے
تھک گئے ہوگے بڑی دیر سے لڑتے لڑتے

(۱۵۴)

گو دلیری میں نہیں کوئی تمہارا ثانی
غیظ اچھا نہیں اے شیرِ خدا کے جانی
سب وہ سن لو جو کہیں منہ سے ستم کے بانی
نہر کا سوکھی ہوئی مشک میں بھر لو پانی
جو فلک دے اُسے ہنگامِ جدائی لے لو
اتنا کافی ہے جو دریا کی ترائی لے لو

(۱۵۵)

عاجزوں پر کوئی کرتا ہے زمانے میں ستم
میں فدا ہوں یہ نہیں شیوۂ اربابِ کرم
سپہِ ظلم سے ہونا نہ زیادہ برہم
اپنے سر کی تجھے دیتا ہے یہ ناشاد قسم
کب تلک آج دکھاؤگے شجاعت بھائی
اُس پہ یہ غیظ جو نانا کی ہے امت بھائی

(۱۵۶)

کانپ اُٹھا سنتے ہی حکمِ شہؑ دیں قلبِ حزیں
آئینہ بن گئی یوں صاف ہوئی چینِ جبیں
عرض کی خیر لئے لیتا ہوں دریا کی زمیں
فوج سے نہر ملے ختم یہ قصہ ہو کہیں
طرفِ بحر دوبارا رُخِ شبدیز کیا
چپ بہن ہو گئی، بھائی نے فرس تیز کیا

(۱۵۷)

اثر اتنا مگر امید نے پانی کی دیا
پلٹیں ہنستی ہوئی دروازہ سے بنتِ زہراؑ
بھائی کے آنے کا بھی دل نے نہ دیکھا رستا
غش سے چونکا کے سکینہؑ کو یہ زینبؑ نے کہا
فتح کا کچھ نظر آتا ہے قرینہ بی بی
پانی لاتے ہیں چچا نہر سے پینا بی بی

(۱۵۸)

اِس طرف آس تھی پانی کی اُدھر پھر وہی جنگ
کشتیٔ فوج تھی آبِ دمِ شمشیر سے تنگ
سر کے بل گر رہے تھے بحرِ فنا میں سرہنگ
بڑھتی ہی جاتی تھی پانی کے تھپیڑوں کی اُمنگ
اپنے ہی پاؤں کی لغزش سے دل آزار گرے
غرق ہونے سے اگر ایک بچا چار گرے

(۱۵۹)

لڑ رہا تھا جو دمِ غیظ و غضب بازوئے شاہؑ
روح پاتی تھی اجل کے نہ شکنجے سے پناہ
ڈوب کر خوں میں جو پھیلی تھی سپاہی کی نگاہ
لال بادل میں چھپی جاتی تھی دریا کے سیاہ
تھیں بلاؤں پہ بلائیں یہ جفا کاروں پر
بجلیاں گرتی تھیں نظروں کی ستمگاروں پر

(۱۶۰)

تھا دمِ جنگ کچھ اس طرح سے فوجوں کا جماؤ
لوگ پس جاتے تھے پڑتا تھا جو لشکر کا دباؤ
لبِ دریا تھا یہ تلوار کے پانی کا بہاؤ
اک تلاطم تھا کہ وہ ڈوب چلی فوج کی ناؤ
پاؤں تک سر سے دمِ جنگ پسینہ پہنچا
خوں سے بہتا ہوا پانی میں سفینہ پہنچا

(۱۶۱)

جو گرا بحر میں، لیتا گیا ساتھ اپنی قضا
کفنِ آبِ رواں منہ کے چھپانے کو ملا
ڈوبنے والوں کو گرداب نے بے حد ڈھونڈھا
فوجِ اعدا کا نہ دریا پہ ملا تھل بیڑا
کون یہ جذب ہوا بحر میں آنسو کی طرح
جال پھیلا ہوا پانی کا ہے گیسو کی طرح

(۱۶۲)

پانی رک جاتا تھا آ آ کے گلے میں جس دم
بند ہو جاتی تھیں قرنا کی صدائیں پیہم
طبل کے تھم نہ سکے موج کے جادے پہ قدم
جتنا دریا پہ رہے اُتنا بڑھا نفخِ شکم
جتنے ترغیب کے آئیں تھے اُنہیں بھول گیا
پانی پی پی کے ہر اک طبلِ وغا پھول گیا

(۱۶۳)

قابلِ دید نہ کیوں فوج کے ہوں نظّارے
بگڑے ہی جاتے ہیں اسباب وغا کے سارے
منہ پہ کہہ لیتے ہیں جو چاہتے ہیں نقّارے
رُخ پہ اُڑ اُڑ کے پھریروں نے طمانچے مارے
رن میں قرنا بھی خفا فوج سے رہتی کچھ ہے
یہ صدا دیتی ہیں کچھ اور وہ کہتی کچھ ہے

(۱۶۴)

افسرانِ سپہ ظلم پہ تھے اور ستم
کہنیاں ٹوٹ رہی تھیں، تھا علمداروں پہ غم
گھٹنے بڑھتے پہ نہ تھے اپنے ہی قابو میں قدم
جھونکے دیتی تھیں ہوائیں جو سنبھلتے تھے علم
پیچ پر پیچ جو صرصر کے نئے پڑتے تھے
ایک سے بھاگتے تھے اک سے کھڑے لڑتے تھے

(۱۶۵)

غرق دریا سے نہ ہوکر جو جفا جو نکلے
زخم کی آنکھ کھلی خون کے آنسو نکلے
جاں بچانے کے نئی طرح سے پہلو نکلے
مرتے دم جن پہ بھروسا تھا وہ بدخو نکلے
لے کے جاں بحر میں نصرت کے ارادے ڈوبے
سر پہ بٹھلا کے سواروں کو پیادے ڈوبے

(۱۶۶)

تھے جنہیں وقتِ وغا جان کے لالے بھاگے
افسرِ فوج لئے ہاتھ میں بھالے بھاگے
تیغ کے سامنے سے برچھیوں والے بھاگے
منتشر ہو کے چپ و راست رسالے بھاگے
یوں لڑا کون اسد اللہ کے جانی کی طرح
راستہ کاٹ دیا فوج نے پانی کی طرح

(۱۶۷)

کیوں نہ دل بہلے جو دکھلائے تماشا پانی
خاک چھانی ہے کہ مل جائے مصفّا پانی
تشنہ لب پیاس سے بیمار مسیحا پانی
فوج میدان سے بھاگی نظر آیا پانی
درِ حسرت تپشِ قلب نے انمول دیا
ٹھنڈی پائی جو ہوا مشک نے منہ کھول دیا

(۱۶۸)

سامنے جب نہ کوئی ظلم کا بانی دیکھا
زیں پہ انگڑائیاں لیں لطف جوانی دیکھا
سبزہ کچھ سرخ تو کچھ نہر پہ دھانی دیکھا
ہٹ گئی فوج تو بہتا ہوا پانی دیکھا
اُڑ کے دم ساحلِ مقصود پہ تازی نے لیا
بڑھ کے دریا وہ کئی لاکھ سے غازی نے لیا

(۱۶۹)

کھوتا تھا جوش سے انسان کا زُہرا پانی
جہاں پڑتے تھے بھنور تھا وہاں گہرا پانی
لے کے عکس رخِ رنگیں کو جو ٹھہرا پانی
مچھلیاں سرخ تھیں دریا کی سنہرا پانی
چادرِ آب ضیاؤں سے کہاں میلی تھی
دور تک عکس سے پانی پہ شفق پھیلی تھی

(۱۷۰)

شہرے کیوں ہوں نہ وفا میں خلفِ حیدرؑ کے
موج جو آئی، گئی قلب کو مضطر کرکے
یاد دل نے جو لبِ خشک کئے سرورؑ کے
آہ کی آپ نے مشکیزہ میں پانی بھر کے
دل کے ارماں نہ ذرا سرد ہوا سے نکلے
دوش پر مشک لئے نہر سے پیاسے نکلے

(۱۷۱)

تھے لبِ خشک وہی اور وہی تشنہ لبی
آیا ساحل پہ جو بازوئے دل و جان نبیؐ
فوج آمادہ نظر آئی پئے بے ادبی
کی خدنگوں نے قریب آ کے مبارز طلبی
موت کو وقتِ وغا لے کے دل آزار کھنچی
پھر اُسی غیظ، اُسی جوش سے تلوار کھنچی

(۱۷۲)

رن میں دو چار قدم بڑھ کے پکارے اکبرؑ
اے چچا! ہے یہ تمنائے شہِؑ جن و بشر
منتشر وقتِ وغا ہونے نہ پائے لشکر
فوج کو صبر کے دکھلایئے تھم کر جوہر
خوش جو معبود کو آ جائے وہ کام اچھا ہے
قبر کے واسطے دریا کا مقام اچھا ہے

(۱۷۳)

تابشِ مہر کی ظاہر ہے جو ہے کیفیت
دھوپ سے سرخ نہ ہو چاندسی رن میں صورت
تپشِ قلب کی بابا پہ عیاں ہے حالت
شہؑ نے تجویز کیا ہے یہ مقامِ تربت
نہر ہو بازوئے سلطانِ مدینہ کے لئے
سرد جا چاہیئے سقائے سکینہؑ کے لئے

(۱۷۴)

تھا بشارت جو لئے قولِ شہِؑ عرش وقار
منکشف قلبِ مجاہد پہ ہوئے یہ اسرار
اب کہاں پاتا ہے دل شوقِ شہادت سے قرار
رن میں تھم تھم کے جری فوج پہ کرنے لگا وار
ہاتھ ڈھیلا یہ سرِ فوج ستم آتا رہا
جس سے امیدِ ظفر تھی وہ غضب جاتا رہا

(۱۷۵)

حال یہ دیکھا جو غازی کا سپہ نے دمِ جنگ
حملہ کرتے ہوئے نزدیک بڑھ آئے سرہنگ
صبر اِدھر بڑھنے لگا رن میں اُدھر دل کی اُمنگ
سرخ ہونے لگا ہر تیغِ جفاکار کا رنگ
سوزشِ دل سے نفس بارِ گراں ہونے لگا
زخم پڑنے لگے خوں تن سے رواں ہونے لگا

(۱۷۶)

اک جگہ تھم گیا تھا ابنِ شہِؑ بدر و حنین
دل سے کہتا تھا سنے جائیں گے رانڈوں کے نہ بین
دور گھوڑے سے گروں گا تو رہوں گا بے چین
نہر تک لا نہ سکیں گے مری میت کو حسینؑ
زندہ جب تک رہوں، زہراؑ کی کمائی نہ چھٹے
یہ تمنا ہے کہ دریا کی ترائی نہ چھٹے

(۱۷۷)

اک جگہ رک جو گیا اسپِ سبک گام و عناں
مستعدِ قتل پہ غازی کے ہوئی فوجِ گراں
تیر چلّوں سے کمانوں کے ہوئے رن میں رواں
اتنے حربے ہیں اور اک ہے دلِ بیتاب وتواں
تن کو ایذائیں ہر اک عربدہ جو دینے لگا
جسم پر زخم پڑا جو وہ لہو دینے لگا

(۱۷۸)

خود بھی کچھ رن میں کئے جاتے ہیں دو چار پہ وار
ایک کی کھائی ہے تیغ ایک کا سینہ ہے فگار
متفرق ہوئے پیدل تو بڑھ آئے اسوار
قلب گر بچ گیا نیزہ سے تو کھائی تلوار
سر جھکائے ہوئے ہے زیں پہ نمازی رن میں
بڑھتے ہی جاتے ہیں زخمِ تنِ غازی رن میں

(۱۷۹)

تیغ پر تیغ لگاتا ہے اُدھر لشکرِ کیں
کس سے کس سے بچے بازوئے شہِ عرش نشیں
پڑ کے تلوار اُتر آئی جو تا حدِّ جبیں
ڈگمگانے لگا لختِ دلِ حیدرؑ سرِ زیں
فرق سے تا بہ قدم خوں میں نہائے ہوئے ہے
ضعف غازی کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہے

(۱۸۰)

ناتواں گو ہیں پہ اس پر بھی نہ ہمت ہاریں
حکم شہؑ ہو تو ابھی بڑھ کے سپہ کو ماریں
کئی اک دفعہ چھٹیں تن سے لہو کی دھاریں
مشک پر تیر تو شانوں پہ پڑیں تلواریں
زخم کے ایسے اثر قلبِ حزیں پر آئے
زین رہوار سے تیورا کے زمیں پر آئے

(۱۸۱)

دفعتاً آنے لگی فتح کے باجوں کی صدا
بھائی کی لاش پہ جلد آیئے اے شاہؑ ہدا
ٹکڑے ٹکڑے تنِ غازیؑ کے کئے ہیں اعضا
آپ کے شیر کو آئی ہے ترائی میں قضا
ضعف میں اُٹھ نہ سکے درد کے صدمے دل سے
ہوش آئے گا بھی رن میں تو بڑی مشکل سے

(۱۸۲)

بھائی کے مرنے کی پائی جو شہِ دیںؑ نے خبر
دل کو پہلو میں تپاں کرنے لگا دردِ جگر
اُٹھے گھبرا کے تو سیدھی نہ ہوئی شہؑ کی کمر
دی یہ آواز پدر نے کہ کدھر ہو اکبرؑ
تشنہ لب قتل ہوئے نہر پہ عمّو بیٹا
لاش پر لیتے چلو تھام کے بازو بیٹا

(۱۸۳)

ہاتھ اکبرؑ نے جو تھامے تو چلے سرورِؑ دیں
نالے وہ درد میں ڈوبے تھے کہ ہلتی تھی زمیں
دم بدم کہتے یہ جاتے تھے بہ آوازِ حزیں
زیں سے گرتے ہوئے بھائی کو پکارے بھی نہیں
غش کئی بار سنا وقتِ جدال آیا تھا
دل میں کیا بھائی کی زحمت کا خیال آیا تھا

(۱۸۴)

کس نے پائے ہیں سعید ایسے جہاں میں بھائی
اُتنی کی بات جہاں تک مری مرضی پائی
دی اماں فوج کو ضربت نہ مگر دکھلائی
ہائے تلوار پہ تلوار وغا میں کھائی
فوج نے جسم کے ٹکڑے کئے بیدردی سے
جان دے دی مرے غازیؑ نے جوانمردی سے

(۱۸۵)

ہائے کیا کیفیتِ سرورِؑ والا ہو بیاں
قلب وہ بھی کہیں سنبھلا ہے جو ہو جائے تپاں
ہاتھ پکڑے ہوئے گو ساتھ تھا فرزندِ جواں
دل مگر تھام کے گر پڑتے تھے سلطانِ زماں
حد کے بیکس تھے نہ کیوں آہ میں تاثیر آئے
لاش تک ٹھوکریں کھاتے ہوئے شبیرؑ آئے

(۱۸۶)

شہؑ نے میّت کو کلیجے سے لگا کر یہ کہا
لاش پر آئے ہیں ہم آنکھ تو کھولو بھیّا
زخم میں جلتی ہوئی ریگ سے ہوگی ایذا
تم کہو گر تو بچھا دوں میں تہہِ جسم ردا
ہوش اگر ہو تو خیالِ دلِ مضطر رکھو
نزع کا وقت ہے زانو پہ مرے سر رکھو

(۱۸۷)

دشت میں ہو گئے مجروح سراپا بھائی
چور تیغوں نے کیا ہے تمہیں ایسا بھائی
قلب کر سکتا ہے اندازہ بھلا کیا بھائی
کون عالم میں بتا سکتا ہے ایذا بھائی
کروٹیں لوگے تو تکلیف کے ساماں ہوں گے
جس قدر زخم ہیں درد اتنے مری جاں ہوں گے

(۱۸۸)

بحر تک لے کے گئی کوششِ قلبِ بیتاب
کیا کرو تم کہ مقدر میں نہ تھا قطرۂ آب
بخت پردیس میں تھا تشنہ دہانوں کا خراب
کیا سبب ہے کہ جو دیتے نہیں باتوں کا جواب
چین لیتے ہی نہیں رنج کے کھانے والے
دیر سے تم کو جگاتے ہیں جگانے والے

(۱۸۹)

گوش جرّار تک آئی جو شہِؑ دیں کی صدا
چونک اُٹھا غش سے دل و جانِ امامِؑ دوسرا
بہت آہستہ دمِ نزع یہ غازیؑ نے کہا
بند آنکھیں ہیں مری اے خلف شیرِؑ خدا
مجھ کو اچھی نظر آتی نہیں حالت مولاؑ
ہو نہ جاؤں کہیں محرومِ زیارت مولاؑ

(۱۹۰)

آرزو ہے کہ لہو آنکھ کا پوچھیں شہِؑ دیں
تا نکل جائے تمنائے دلِ زار و حزیں
لائے یہ سنتے ہی رومال کو چہرے کے قریں
پاک کرنے لگے خوں رخ کا، شہِؑ عرش نشیں
کھول کر آنکھ سوئے سیدِ والاؑ دیکھا
مسکرانے لگے جب بھائی کا چہرا دیکھا

(۱۹۱)

جوڑ کر دستِ ادب کرنے لگے شہؑ سے بیاں
تا بہ لب آ چکی ہے کھنچ کے مرے قلب سے جاں
ہوں میں دو چار نفس اور جہاں میں مہماں
گھر میں لے جایئے گا بعد مرے مشک ونشاں
وہ نہیں چاہتا جو بار نہ بھائی سے اُٹھے
اک مری لاش نہ دریا کی ترائی سے اُٹھے

(۱۹۲)

کہہ کے یہ شہؑ سے بھتیجی کو کیا پاس طلب
گوشِ اکبرؑ کے قریں کچھ متحرک ہوئے لب
اِس طرف رونے لگا لختِ دلِ شاہؑ عرب
اُس طرف ہچکیوں سے بڑھنے لگا دل کا تعب
رن میں کس حسن سے آرام ملا، غم نکلا
پاؤں پھیلا دیئے، انگڑائیاں لیں، دم نکلا

(۱۹۳)

رو کے بیٹے سے یہ فرمانے لگے شاہؑ امم
تم سے بھائی نے کہا کیا تھا بچشمِ پر نم
عرض اکبرؑ نے یہ کی شہؑ سے بصد رنج و الم
یہ بیاں مجھ سے چچا نے کیا کھلوا کے قسم
فکر رانڈوں کی مری سینہ زنی میں رکھنا
دھیان بھائی کا غریب الوطنی میں رکھنا

(۱۹۴)

اپنے بیٹے سے سفارش جو سنی رو دیئے شاہؑ
لاش سینے سے لگاکر کہا اِنّا لِلّٰہ
اپنی کچھ فکر نہ کی، دھیان مرا ہی رہا آہ
جس کی موت آئی ہو کس طرح سے پائے وہ پناہ
شام تک مجھ سا مسافر سفری ہے بھائی
روح سینے میں چراغِ سحری بھائی

(۱۹۵)

خیر بہتر ہے سدھارو طرفِ خلد بریں
ہم بھی کچھ دیر میں کٹوا کے سر آتے ہیں وہیں
کہہ کے یہ لاش سے اُٹھ بیٹھے شہؑ عرش نشیں
آخری دی یہ صدا رو کے بہ آوازِ حزیں
ہے بہت دور ابھی منزل سے مسافر بھائی
دن بہت کم ہے خدا حافظ و ناصر بھائی

(۱۹۶)

کہہ کے یہ لاش سے خیمہ کو چلے شاہؑ امم
مشک کے ساتھ اُٹھایا علی اکبرؑ نے علم
گھر میں لے آئے نشاں آپ جو با دیدۂ نم
بی بیاں کرنے لگیں بازوئے شہؑ کا ماتم
درد بیتابیوں سے ہر دلِ مضطر میں ہوا
ایک کہرام بپا خیمۂ سرورؑ میں ہوا

(۱۹۷)

بین یہ زوجۂ عباسؑ کے تھے زیرِ علم
تم کہاں ہو کہ اکیلے ہیں شہنشاہؑ امم
چاہتے ہو جسے اُس سر کی میں دیتی ہوں قسم
منتظر ہے کسی ناشاد کا اُکھڑا ہوا دم
پھر نہ روکوں گی تمھیں دہر سے جانے کے لئے
چلے آؤ مری میّت کے اُٹھانے کے لئے

(۱۹۸)

میرے گیسو کے بکھرنے پہ نظر ہے کہ نہیں
دمِ فریاد مرے لب پہ جگر ہے کہ نہیں
میرے سر پیٹنے کا دل پہ اثر ہے کہ نہیں
کچھ تمھیں اپنے یتیموں کی خبر ہے کہ نہیں
اضطراب ایسا ہے فرقت سے دل افگاروں پر
خاک ملتے ہیں بڑی دیر سے رخساروں پر

(۱۹۹)

بے سبب کس لئے غم ہجر کا کھاتے جاؤ
خوں میں ڈوبی ہوئی صورت کو دکھاتے جاؤ
اپنے بچوں کو کلیجے سے لگاتے جاؤ
میں فدا ہوں مجھے اتنا تو بتاتے جاؤ
کون سی ہوتی ہے تدبیر جو غش آتے ہیں
کہہ کے کیا چھوٹے ہوئے بچوں کو سمجھاتے ہیں

(۲۰۰)

کئے یوں زیرِ علم زوجۂ عباسؑ نے بین
تھا ہر اک آنکھ پہ ظاہر اثرِ شیون و شین
نہ جگر ہی کو سکوں تھا نہ کسی قلب کو چین
منہ پہ رومال کو رکھے ہوئے روتے تھے حسینؑ
ہچکیاں آنے لگیں ضعف سے تڑپا نہ گیا
یوں یہ بیہوش ہوئیں شاہؑ سے دیکھا نہ گیا

(۲۰۱)

اس سے بڑھ کر نہیں ذاخرؔ جگر و قلب کو تاب
رو رہی ہے صفت ابر ہر اک چشم پر آب
اتنے بے حصر ہیں آلامِ شہِؑ عرش جناب
کس میں ہے قدرت وطاقت جو کرے درج کتاب
کیفیت شاہؑ کی تحریر میں کب آتی ہے
لکھتے لکھتے یہ فسانہ اجل آ جاتی ہے



لله الحمد ہرآن چیز که خاطر میخواست
آخر آمد به پس پردهٔ تقدیر پدید

الحمد لله تحریر این مرثیه نو تمام شد بتاریخ ۲۸/بست و ہشتم رجب المرجب ۱۳۳۵ھ روز یکشنبہ ساعت پنج و دہ دقیقہ از عصر، از خط ناقص الدہر سید فرزند حسین عرف اچھن صاحب ذاخرؔ عفی عنہ بقلم خود۔

نوشته بماند سیه بر سفید
نویسنده را نیست فردا امید
ہر که خواند دعائے طمع دارم
زانکه من بندهٔ گنہگارم



قطعہ

شیدائے اہلبیت آنجہانی وشوناتھ پرساد ماتھرؔ لکھنوی

ثبات وعزم ہے کیا جاہ اور حشم کیا ہے
جو دل کے خون میں شامل ہوا وہ غم کیا ہے
تبرکاتِ پیمبرؐ میں یہ بھی شامل ہے
میں کیا بتاؤں کہ عباسؑ کا علم کیا ہے

